عائشہ اکبر سومرو*

ناول 'انسان اور دیوتا' میں اذیت نگاری کے پہلو

THE AESTHETIC DIMENSIONS OF SUFFERING IN THE NOVEL "INSAN AUR DEWTA"

Abstract: *Naseem Hijazi's novel "Insaan aur Dewta" (Man and Gods) explores the oppressive elements within Hindu society, where life is painted in shades of suffering. It presents a deep study of the lives of the Shudras in India, who were forced to live in conditions worse than animals. This novel portrays a harsh reality filled with profound emotions and sentiments. It vividly highlights the social contradictions and injustices of the time.*

Keywords: *Society – Suffering – Life – Community Contradictions.*

تلخیص: نسیم حجازی کا ناول 'انسان اور دیوتا' ہندو سماج میں پائے جانے والے اُن عناصر کو بیان کرتا ہے، جہاں پر صرف اذیت کے رنگ نمایاں ہیں۔ ہندوستان میں بسنے والے شودروں کی زندگی کا مطالعہ، جہاں انھیں جانوروں سے بھی بدتر زندگی گزرانے پر مجبور کیا جاتا۔ زندگی کی ایک ایسی سچائی جو اپنے اندر مکمل احساسات و جذبات رکھتی ہے۔ یہ ناول معاشرتی تضادات کو نمایاں کرتا ہے۔

کلیدی الفاظ: سماج۔ اذیت۔ زندگی۔ معاشرہ۔ تضادات۔

ہم یہ بات جانتے ہیں کہ ایک انسان سماج سے کبھی الگ تھلگ نہیں رہ سکتا۔ لیکن بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ معاشرہ کی کوئی حرکت ایک انسان پر اِس طرح اثر انداز ہوتی ہے کہ اس کی چبھن وہ ساری زندگی محسوس کرتا رہتا ہے۔ نسیم حجازی کا ناول 'انسان اور دیوتا' بھی اسی تناظر میں لکھا گیا۔ ہندوستان میں بسنے والے شودروں کی زندگی کا مطالعہ، جہاں صرف تکلیف، غم خود غرض نے اُن کی زندگیوں کو جانوروں سے بھی بدتر بنا دیا تھا۔ قدیم معاشرہ پورے ہندوستان کو ہلا رہا تھا، ایک سوچ نئے طرزِ احساس کو جنم دے رہی تھی۔ تو دوسری جانب ایک خوف اور کرب بھی جنم لے رہا تھا، اذیت کی یہ تصویر شودروں کی زندگیوں کو شدت سے زندگی کا احساس دلا رہی تھی، ہندوستان میں پائی جانے والی تفریق اِن افراد پر بہت گہرے اثرات مرتب کر رہی تھی۔ اِس ناول کا برہمن کردار، سکھدیو، برہمن جذبات کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔ زندگی میں مایوس اُس وقت جنم لیتی ہے جب اُمیدیں دم توڑنے لگ جاتی ہیں، زندگی میں رکاوٹیں تکلیف کا باعث بنتی ہیں۔ زندگی اور مذہب کی مجبوریاں کسی طرح اذیت کا سبب بن جاتی ہیں، نسیم حجازی نے ناول 'انسان اور دیوتا' میں اِس انداز میں پیش کیا ہے۔

* معلمہ، گورنمنٹ پرائمری اسکول، پیر جو گوٹھ۔

"یہ وہ لوگ تھے جن کے متعلق اس کا انصاف پسند راجہ اور پروہت یہ حکم صادر فرما چکے تھے کہ ان کی جھونپڑیاں جلادی جائیں اور انھیں سخت سے سخت اذیتیں دے مجبور کیا جائے کہ وہ اپنی سرسبز چراگاہوں کو چھوڑ کر کہیں دور چلے جائیں، یہ وہ لوگ تھے جنھیں نزدیک سے دیکھنا۔ جن کے ساتھ ہم کلام ہونا، جن کی آواز سننا اور جن کو چھونا وہ ایک بدترین پاپ سمجھتا تھا۔ جنھیں سماج کا قانون اچھوت قرار دے چکا تھا۔ جن کے ساتھ ظلم کرنا اس کا پیدائشی حق تھا۔"(۱)

ہندوستانی معاشرہ تنگ نظری اور تعصب میں مکمل طور پر بے حال ہو چکا تھا۔ ہم یہاں یہ محسوس کرتے ہیں کہ جب فرد کوئی سچائی کی تلاش میں نکلتا ہے تو معاشرہ اکثر باغی تصور کرتا ہے، معاشرے میں پائے جانے والے تمام عناصر اُس کے مخالف ہو جاتے ہیں یوں بعض اوقات سچ کی روشنی رہے ارتقائی مراحل میں ہی ختم ہو جاتی ہے۔ سکھدیو ایک ایسی عورت کی محبت میں گرفتار ہوتا ہے، جس کو چھونا بھی دھرم کے بہرشٹ ہونے کے برابر ہے، جب کہ زندگی کی صداقت ہی یہ ہے کہ انسان کہ تخلیق کائنات کے حُسن میں اضافہ کرتی ہے۔

"اچھوت قوم کی ایک حسین لڑکی کو ایک شمع مصوّر کر کے اِس پر پروانہ وار فدا ہونا، اُس کے وقار کے منافی تھا وہ کسی کے لیے شفقت کا ہاتھ اٹھانے سے پہلے اسے اپنے عطف و کرم کا متمنی دیکھنے کا آرزو مند تھا، لیکن جوں جوں دن گزرتے گئے اس کا یہ وہم دور ہوتا گیا کہ حُسن و معصومیت کی یہ ملکہ اپنے عروج کا تاج اُتار کر اُس کے پاؤں پر رکھ دے گی۔"(۲)

اِن عوامل سے اذیت کے جو نتائج بر آمد ہو رہے تھے، وہ سکھدیو کو بے چین کر رہے تھے، اِس کی ایک بنیادی وجہ برداشت کا کم ہونا اور خود کو 'انا' کے خل میں بند رکھنا بھی شامل ہے، ایک ایسی جہدِ مسلسل کی تصویر جو مرد کو انفرادی اور اجتماعی طور پر کرب سے گزارتی ہے۔ ہم نہ تو زندگی کے مادی حقائق سے انکار کر سکتے ہیں۔ اور نہ ہی استحصالی برائیوں سے انسان کا کرب ہمیشہ سے اُس کے ساتھ رہا ہے۔

انسان جب راہِ فرار اختیار کرتا ہے تو قدرتی طور پر بعض اوقات وہ قدرت کی جانب راغب ہوتا ہے۔ سکھدیو نے جو قدم اٹھایا تھا، وہ ایک غیر معمولی حرکت تھی، اور یہ بات طے تھی کہ آنے والے وقتوں میں اِس کے گہرے اثرات ہونے تھے۔ ہماری زندگی مثبت یا منفی عمل پر مشتمل ہوتی ہے۔ معاشرہ میں موجود منافقانہ رویے انسان کو اذیت میں مبتلا کر کے رہتے ہیں یہ ناول اِس بات کی بھی نشاندہی کرتا ہے کہ انسانی جبلت کس طرح نفسیاتی مسائل کا باعث بنتی ہے۔ معاشرتی تقاضے کیوں کر تضادات کو ابھارتے ہیں:

ڈاکٹر سلیم اختر فرماتے ہیں

''ہمارے ہاں جہالت نے جو ایک مسلک فکر اور طرزِ حیات کی صورت اختیار کر لی ہے، تو اِس کا بنیادی سبب بھی اسی استخراجی منطق کے پیدا کردہ فکری رویوں اور ان سے جنم لینے والے کرداری سانچوں میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔''(۳)

تضاد سے بھرا ہوا ہندوستانی معاشرہ روایات کی پاسداری کو مذہبی رنگ دے گیا، تاکہ صرف اور صرف اقتدار کو قائم رکھا جا سکے۔ یہ ناول ہندوستانی تہذیب کو مدِ نظر رکھ کر لکھا گیا۔ ایک ایسی تہذیب جو اپنے اندر سیاسی، سماجی، معاشرتی یہاں تک کہ معاشی پہلوؤں کو بھی انسانوں کے درمیان بانٹ دیا ہے۔ شودروں نے دکھ و درد کا مقام اپنا مقدر سمجھ کر قبول کر لیا تھا۔ صدیوں سے گھٹن زدہ ہندوستانی معاشرہ جو انتہائی بوسیدہ ہو چکا تھا اور کسی بھی وقت گرنے کو تھا، لیکن اِس کی خوش قسمتی کہ کوئی متبادل نظام موجود نہیں تھا۔ اور اچھوتوں اور شودروں کے خون سے اِس بوسیدہ نظام کو نئی توانائی ملتی رہتی تھی۔ اذیت کا یہ مقام انسان کو تذلیل تک لے جاتا ہے۔ شودر اور اچھوت ایک خوف کے عہد میں زندہ تھے۔ زمانے کی تبدیلی کو بہت سے افراد قبول نہیں کر رہے تھے۔ پورا معاشرہ توہم پرستی اور تعصبات میں مبتلا تھا۔ نسیم حجازی نے انفرادی اور اجتماعی اذیت کے عناصر و شدت سے بیان کیا۔ ایک انسان کی اِس سے بڑی کیا ذلت ہو گی کہ وہ خود رہنے مقام سے واقف نہ ہو۔ آخر میں رام داس نے مادھو کو جو نصیحتیں کیں، ہم کو اِس بات کا اندازہ ہے کہ بدلتا ہوا معاشرہ، ہندو سماج میں در حقیقت وہی صدیوں پرانا حیوان چھپا کر بیٹھا ہے، جہاں پر شودر اور اچھوت اذیت کے رنگوں میں جی رہے ہوتے ہیں

''اُونچی ذات والوں سے تمھاری جنگ اِس لیے نہیں کہ انھوں نے انسانیت کے تمام حقوق تم سے چھین لیے ہیں۔ نہیں! تم صرف اپنے طاقت ور آقاؤں سے چند مراعات چاہتے ہیں اور وہ یہ کہ وہ تمھارے لیے اپنے مندروں کے دروازے کھول دیں تمھیں اپنے کنوؤں سے پانی پینے دیں۔ اپنے شہروں میں داخل ہونے دیں اور اپنی مورتیوں کی پوجا کرنے دیں۔''(۴)

اِس ناول میں مکالمے بہت اہمیت کے حامل ہیں، اِس سے ہمیں ہندوؤں کی معاشرتی زندگی میں نہ صرف اذیت کا پتہ چلتا ہے، بلکہ یہ پہلو بھی سامنے آتا ہے کہ اگر نظریہ مذہب میں شاملِ حال ہو جائے تو ایک انسان کس حد تک جاسکتا ہے۔ یہ رنگ ناول کا بنیادی عنصر ہے۔

''کنول نے درد بھری آواز میں جواب دیا، میں۔ میں اچھوت ہوں لیکن میرا بیٹا۔۔'

موہنی، کنول کا مطلب نہ سمجھ سکی لیکن کم سن ہونے کے باوجود وہ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکی کہ اُس نے یہ سوال پوچھ کر اچھا نہیں کیا۔۔۔''(۵)

مذہبی تقسیم نے برہمن اور شودر کے درمیان اذیت کو مزید گہرا کیا۔

''میرے خیال میں اس کا بلیدان دیا جائے گا۔

اگر کوئی اُونچی ذات کا ہو تو بھی؟

پگلی کہیں کی، بھلا اُونچی ذات کا آدمی مندر میں چوری کر سکتا ہے؟ یہ کسی شودر کا کام ہے۔''(۶)

نسیم حجازی کے ناول 'انسان اور دیوتا' میں موجود اذیت کے جو مختلف پہلو بیان کیے گئے ہیں وہ اپنے تیکھے پن کی وجہ سے ایک جُدا گانہ حیثیت رکھتے ہیں۔ رسم ورواج اور زخموں سے چور چور معاشرہ مسلسل جہد میں رہتا ہے۔ نسیم حجازی نے انسانیت کے دکھوں کو بہت قریب سے دیکھا ہے اور محسوس بھی کیا ہے۔ آج بھی صدیاں گزر گئیں ہم کسی نہ کسی مروثی پہلو سے اُسی اذیت کے مقام پر کھڑے ہیں۔

حوالہ جات:

۱۔ نسیم حجازی، 'انسان اور دیوتا' جہانگیر بکس، کراچی، سن ندارد، ص ۳۸۔
۲۔ نسیم حجازی، 'انسان اور دیوتا' جہانگیر بکس، کراچی، سن ندارد، ص ۴۱۔
۳۔ سلیم اختر ڈاکٹر، بنیاد پرستی، سنگِ میل پبلیشرز، لاہور، ص ۸۳، ۸۴۔
۴۔ نسیم حجازی، 'انسان اور دیوتا' جہانگیر بکس، کراچی، سن ندارد، ص ۴۰۰۔
۵۔ نسیم حجازی، 'انسان اور دیوتا' جہانگیر بکس، کراچی، سن ندارد، ص ۲۲۵۔
۶۔ نسیم حجازی، 'انسان اور دیوتا' جہانگیر بکس، کراچی، سن ندارد، ص ۲۵۷۔

کتابیات:

۱۔ اختر، سلیم، ڈاکٹر۔ *بنیاد پرستی*۔ سنگِ میل پبلیشرز، لاہور۔
۲۔ حجازی، نسیم۔ *انسان اور دیوتا*۔ جہانگیر بکس، کراچی، س۔ن۔

☆☆☆☆☆